© rasailojaraid.com



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# نظرات

## فہمِ قرآن

امام مالک فرماتے تھے "مجھے اُس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو لغت عرب میں مہارت نہ رکھنے کے باوجود قرآن مجید کی تفسیر کرنے کی جرأت کرتا ہے۔

مجاہد کا مقولہ ہے "جو شخص اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اُس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اللہ کی کتاب کے متعلق کلام کرے، اگر وہ لغات عرب کو نہیں جانتا۔

حضرت حسن بصری نے فرمایا "جو شخص عربیت سے ناواقف ہے وہ بسا اوقات ایک آیت پڑھتا ہے اور اس طرح کسی لفظ کو پڑھتا ہے کہ وہ اُس کے لیے باعثِ ہلاکت بنجاتا ہے۔

قرآن مجید نے اپنی نسبت آسان ہونے کا ادعا کیا ہے لیکن اس کے باوجود اُس نے خود علم کے اعتبار سے لوگوں میں تفریق کی ہے۔ ارشاد گرامی ہے:-

لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۔ اس کو وہی لوگ جانتے ہیں جو احکام کا استنباط کر سکتے ہیں۔

دیکھیے جہاں تک نصیحت حاصل کرنے کا تعلق ہے، صاف طور پر فرمایا جاتا ہے "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ" کسی عالم وغیر عالم کی تخصیص نہیں کی جاتی لیکن جب اُس کے علم کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُسے اُن لوگوں کے ساتھ مخصوص کر دیا جاتا ہے جو مفہومِ کلام پر پورے طور سے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



حاوی ہو کر احکام کا استنباط کر سکیں اور ظاہر ہے یہ سلیقہ ذوق عربیت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

کسی زبان کے ادب و بلاغت کا ذوق ایک نعمتِ خداداد ہے۔ تاہم اس کے استوار ہونے میں علوم ذیل سے بڑی مدد ملتی ہے۔ جب تک اسلام عرب میں محدود رہا اُس وقت تک علوم عربیہ میں سے نہ کوئی علم وفن مدون ہوا تھا اور نہ کسی علم کی ضرورت تھی۔ قواعد زبان سے بنتے ہیں نہ کہ زبان قواعد سے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد صحابہ میں قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق اختلاف بہت کم نظر آتا ہے۔ لیکن جب قرآن کی اشاعت عربی زبان نہ جاننے والے ملکوں میں ہوئی، اور وہ لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے تو اب ضرورت محسوس ہوئی کہ اُن کو قرآن فہمی کے قابل بنانے کے لیے عربیت کے علوم وفنون کو مدوّن کیا جائے۔ چنانچہ صرف ونحو اور دوسرے علوم کی تدوین عمل میں آئی۔

غور کرنا چاہیے کہ جب تک معاملہ اہل زبان تک محدود رہا کسی علم وفن کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی لیکن جب اُن سے گذر کر عجمی اقوام تک اُس کی رسائی ہوئی تو محض قرآن مجید کو صحیح پڑھنے اور اُس کو سمجھ سکنے کے لیے ان تمام علوم وفنون عربیہ کی داغ بیل پڑی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کوئی شخص عربیت کے تمام علوم جن کی تعداد علماء نے چودہ لکھی ہے بدرجۂ کامل حاصل نہیں کریگا۔ اُسے حق نہیں ہے کہ قرآن کی کسی آیت کے متعلق اپنی ذاتی رائے پیش کر سکے۔ اُس کے لیے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ خود مریض ہے تو اطبا پر اعتماد کرے اور اُن ہی کے تجویز کیے ہوئے نسخہ کو اپنے لیے پیغام شفا سمجھے۔

ان علوم رسمیہ میں کمال حاصل کرنے کے ساتھ دوسری چیز جو قرآن کے مطالب کو بصیرت



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ے ساتھ سمجھنے کے لیے از بس ضروری ہے، وہ نورِ بصیرت ہے یا دوسرے لفظوں میں اُسے "ذوق قرآنی" کہہ سکتے ہیں۔ ایک قرآن پر ہی کیا موقوف ہے، دنیا کا کوئی علم و فن ایسا نہیں ہے جس میں کمال اور مجتہدانہ نظر پیدا کرنے کے لیے عام ذہانت و ذکاوت کے علاوہ اُس علم کے ساتھ ایک فطری لگاؤ ضروری نہ ہو۔ علی گڑھ سے ہزاروں نے بی اے اور ایم اے کا امتحان پاس کیا، لیکن محمد علی مرحوم کی طرح انگریزی کے بہترین ادیب کتنے پیدا ہوئے۔ دیوبند نے ہزاروں علماء کو سند فراغت تقسیم کی لیکن ان میں ایسے کتنے ہیں جو حضرت الاستاذ مولانا سید انور شاہؒ کی سی نظر بصیرت رکھتے ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کسی انسان کو کسی خاص فن کے ساتھ دلچسپی ہوتی ہے تو اس کی نظر اُس فن کے مسائل کے لیے ایک بیگانہ کی نہیں بلکہ آشنائے دیرینہ کی نظر ہوتی ہے، روز مرہ اُس کا مشاہدہ کرتے ہیں، زندگی کے ہر شعبہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ کسی کام میں کامیابی کا دارومدار ایک بڑی حد تک اُس سے دلچسپی اور فطری لگاؤ پر ہوتا ہے۔ ڈاکٹری کا اعلیٰ سے اعلیٰ امتحان پاس کرنے والے کیا سب ایک سے ہی ہوتے ہیں۔ پھر بیرسٹری کی ڈگری رکھنے والے کیا حذاقت فن اور کمالِ پیشہ و مہارت قانون کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہوتے؟

یہ چیز مزید بحث و نظر کی محتاج نہیں ہے۔ ہر شخص بداہۃً اس کو جانتا ہے، مگر کیا کیجیے اس زمانہ میں جس طرح بعض پرانی نظری باتیں بدیہی بن گئی ہیں۔ اس کے برخلاف بعض بالکل بدیہی اور مسلّم حقیقتیں بھی نظر و فکر کے حجاب میں پوشیدہ ہوتی جا رہی ہیں۔

---

کسی فن کے ساتھ یہ فطری لگاؤ اور اس کا ذوقِ صحیح بالکل خداداد بات ہے۔ یہ نعمت ہر ایک شخص کے حصہ میں نہیں آسکتی ہے۔ اس بنا پر اگر ہم اُس فن کے کسی ماہر خصوصی کی طرف نسبت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اگر کے یوں کہہ دیں کہ ہر شخص اُس جیسا نہیں ہو سکتا تو کوئی شبہ نہیں کہ ہمارا یہ کہنا بالکل درست اور بجا ہوگا۔ اسی طرح ہم اگر یوں کہیں کہ قرآن مجید کو ہر شخص حضرت ابن عباسؓ یا حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعود کی طرح نہیں سمجھ سکتا، تو اہلِ انصاف جانتے ہیں ہمارا یہ سراسر حق ہے، کوئی شخص اس کی تکذیب نہیں کرسکتا۔ اب اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھیے اور دیکھیے یہی برخود غلط گروجویٹ کس قدر مضحکہ انگیز بات کہتا ہے۔

"قرآن سب سے زیادہ آسان کتاب ہے، نہ یہ ما بعد الطبیعۃ کا فلسفہ ہے، نہ ریاضی کی کتاب کہ اس کے لیے تحقیق کی جائے۔ انسان جس کو خدا نے دو آنکھیں اور دو کان اور ایک صحیح دماغ دیا ہے وہ قرآن کے سمجھنے کا اتنا ہی اہل ہے جتنا کہ ایک علامۃ اللوذعی قرآن کے سارے احکام پر ہمارا عمل ہونا چاہیے۔ نہ اس میں کسی تاویل کی ضرورت اور نہ کسی تفسیر کی۔"

---

اس تقریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فہم قرآن کے لیے اولین طور پر دو چیزوں کی ضرورت ہے، ایک علوم عربیہ کی مہارت، اور دوسرا ذوقِ قرآنی۔ پہلی چیز کسبی ہے اور دوسری وہبی جس طرح کوئی شخص شعروادب کے فطری ذوق کے بغیر شاعر و ادیب نہیں ہو سکتا ٹھیک اسی طرح "ذوق قرآنی" کے بغیر فہم قرآن کا اہل بھی نہیں ہو سکتا۔

این سعادت بزورِ بازو نیست  تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

علامہ سید رشید رضا نے اِسی حقیقت کو اس طریقہ پر بیان کیا ہے:۔

"وہ حق جس کے اندر کوئی شک وشبہ نہیں ہو سکتا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام قرآن لوگوں تک پہنچا دیا جو آپ پر نازل ہوا تھا۔ اور اُس کو آپ نے وضاحت کے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ساتھ بیان بھی کر دیا۔ آپ نے علم دین کی کسی شے کے ساتھ کسی کو مخصوص نہیں کیا ہے۔ اور نہ علم دین میں کسی کو کسی پر کوئی فوقیت ہو سکتی ہے، البتہ صرف فہم قرآن کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر برتری دی جا سکتی ہے اور یہ فہم قرآن دو چیزوں سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک ان میں سے کسبی ہے۔ دوسری وہبی۔ کسبی تو یہ ہے کہ آدمی علم السنت، آثارِ علماء صحابہ، تابعین۔ اور صدر اول میں جو علماء امصار تھے ان کے اقوال اور مفرداتِ لغت اور اس کے اسالیب وطرق اور اسی طرح دوسرے علوم وفنون میں مثلاً علم فطرت، تاریخ عالم، نفسیاتِ انسان۔ ان سب علوم سے قرآن کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور یہ سب علوم مکتسبہ ہیں جو کوشش اور جد وجہد سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

اور دوسری قسم وہبی ہے۔ اور یہ وہی ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ "فہم قرآن ایک خاص نعمت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے خاص خاص بندوں کو ہی نوازتا ہے"۔ اور اس قسم ثانی کی وجہ سے ہی علوم کسبیہ میں مہارت رکھنے والے علماء ایک دوسرے پر باہمی فضیلت و برتری رکھتے ہیں مگر جو شخص علم عربیت سے نا آشنا اور سنن و آثار سے ناواقف ہے اس کو علم وہبی سے بھی کوئی حصہ نہیں ملتا ہے، کیونکہ علم کسبی تو اصل ہے جو علم وہبی کو بطور نتیجہ پیدا کرتا ہے"

---

ہم عجمیوں اور خیر القرون سے اس قدر بعد رکھنے والوں کا کیا ذکر! خود صحابۂ کرام جو بلا واسطۂ غیب نبوت کی زبان حق ترجمان سے قرآن مجید سنتے تھے اور جن کے سینے آفتابِ رسالت کی روشنی سے روشن ہو رہے تھے فہم قرآن میں ہم رتبہ نہیں تھے۔ تمام صحابہ میں صرف چھ یا سات تھے جو قرآنی حقائق کی توضیح میں مستند مانے جاتے تھے اُن کے اسماءِ گرامی یہ ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس، زید بن ثابت، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

مسروق فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| شاممت اصحاب رسول اللہ فوجدت علمھم انتھی الی ستۃ الی عمر و علی و عبداللہ و معاذ و ابی الدرداء و زید بن ثابت | میں نے صحابہ کرام سے فیض صحبت اٹھایا تو میں نے ان کا علم چھ بزرگوں کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی عبداللہ بن مسعود، معاذ، اور ابوالدرداء، اور زید بن ثابت |

(طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۰۴)

پھر چھ یا سات بھی فہم قرآن میں یکساں نہیں تھے حضرت مسروق اسی روایت میں آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| فشاممت ھؤلاء الستۃ فوجدت علمھم انتھی الی علی و عبداللہ | میں نے پھر ان چھ بزرگوں سے شرف صحبت حاصل کیا تو دیکھا کہ ان سب کا علم علی اور عبداللہ پر ختم ہوگیا ہے۔ |

یزید بن عمیرۃ السکسکی حضرت معاذ بن جبل کے شاگرد تھے۔ فرماتے ہیں "جب حضرت معاذ بن جبل کی وفات ہونے لگی تو اُنھوں نے مجھ کو حکم کیا کہ تم علم صرف چار بزرگوں سے حاصل کرنا۔ عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن سلام، سلمان الفارسی اور ابوالدرداء۔

---

صحابہ کرام میں جو حضرات تفسیر قرآن کی خدمت انجام دیتے تھے اُن کے حالات و اقوال پر نظر ڈالی جائے تو اُن میں ایک اور اعتبار و حیثیت سے بھی فرق نظر آئیگا حضرت عمر کاروبار خلافت کو انجام دیتے تھے، فتوحات ممالک اور سیاسی امور کی نگرانی کا کام کرتے تھے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ نہ تو احادیث آپ سے زیادہ تعداد میں مروی ہیں۔ اور نہ قرآن مجید کی تفسیر سے متعلق ہی آپ کے اقوال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



آنکھ سے دیکھنے میں آتے ہیں لیکن درا صل وہ حریم اسلام کے بہترین محرم راز تھے۔ اور اُن کی فطرت وطبیعت کو اسلام اور قرآن مجید کی تعلیمات واحکام کے ساتھ ایک رازدارانہ نسبت تھی حضرت ابوذر فرماتے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے:۔

ان اللہ وضع الحق علی لسان عمر یقول بہ — اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر کی زبان پر رکھ دیا ہے جس کو وہ کہتے ہیں۔

لیکن اُن کی فہم "عقل تضائی" تھی یعنی جہاں تک اسلامی احکام کا تعلق ہے حضرت عمر کا فیصلہ ایک بڑی حد تک شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منشا سے قریب ہوتا تھا۔ رہی یہ بات کہ اس حکم کی حکمت اور اُس میں رمز کیا ہے تو غالباً اس معاملہ میں حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عمر پر فوقیت رکھتے ہیں، اور اس کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق دعا کی تھی۔

اللھم فقھہ فی الدین — اے اللہ تو ابن عباس کو دین میں نظر تفقہ عطا فرما۔

بعض روایتوں میں بجائے "فقّھہ فی الدین" کے "علّمہ التاویل" ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ "اے اللہ تو قرآن مجید کی آیات کا صحیح مصداق ابن عباس کو بتا دے"

حضرت ابن عباسؓ حضرت عمرؓ کے برخلاف سیاسی کاموں میں حصّہ نہیں لیتے تھے، حد سے زیادہ محتاط تھے۔ دن رات تعلیم وتعلم اور تدریس وتدرس میں بسر کرتے تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث عموماً انصار کے پاس تھیں، میں حدیث کی جستجو میں کسی انصاری کے پاس آتا۔ اور اُس کو سوتا ہوا پاتا تو وہیں دروازہ پر بیٹھ جاتا تھا۔ ہواؤں کے تھپیڑے مجھ کو پریشان کرتے تھے۔ آخرکار بیدار ہونے کے بعد جب میں وہ روایت سن لیتا تو واپس چلا آتا تھا۔" اس انہماک ومشغولیت کے علاوہ حضرت ابن عباسؓ شعر جاہلیت، انساب اقوام، اور تاریخ عرب



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سے بہت واقف تھے۔ حضرت عمرؓ بھی ابن عباس کی یہ خصوصیت تسلیم کرتے تھے۔ اور جب کبھی اُنھیں قرآن مجید کے کسی لفظ میں اشکال پیش آیا اُنھوں نے حضرت ابن عباس کی طرف ہی رجوع کیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ قرآنِ مجید کی سورہ عَبَسَ میں جو لفظ "اَبًّا" آیا ہے اُس کے معنی کے متعلق چند صحابہ میں اختلاف ہوا تو حضرت عمر نے فرمایا "چلو ابنِ عباس کے پاس چلیں وہ ہم سب سے زیادہ لغت عرب سے واقف ہیں"۔

حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے ارشاد فرمایا "نعم ترجمان القرآنِ انت" عبداللہ بن مسعود کا قول تھا "نعم ترجمان القرآن عبد اللہ بن عباس۔ حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھا کہ وہ آسمان اور زمین کونسی ہیں جن کی نسبت قرآن میں فرمایا گیا ہے "کانتا رتقا ففتقنٰھما" ابن عمر نے اُس شخص کو خود کچھ جواب نہیں دیا، بلکہ ارشاد ہوا "ابن عباس کے پاس جاؤ اور اس کے متعلق دریافت کرو اور پھر مجھ سے آکر اُسے کہہ جانا"۔ حضرت ابنِ عباس کے پاس وہ آدمی آیا تو آپ نے جواب دیا "آسمانوں کا رتق تو یہ ہے کہ اُن سے بارش نہیں ہوتی تھی، اور زمینوں کا رتق یہ تھا کہ اُن میں روئیدگی نہیں پائی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فتق کر دیا تو آسمانوں سے بارش ہونے لگی اور زمینوں میں نباتات پیدا ہونے لگیں"۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے۔ ایک دفعہ اذا جآءَ نصر اللہِ والفتح کے متعلق صحابہ میں اختلاف ہوا۔ لوگوں نے حضرت عمر سے پوچھا "آپ کیا فرماتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا" میں وہی جانتا ہوں جو ابن عباس جانتے ہیں"

---

یہ اور اس طرح کے سیکڑوں آثار ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل لسان اور رسول اللہ صلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



علیہ علم کے شرف صحبت سے سرفراز ہونے میں یکساں وہم رتبہ ہونے کے باوجود تمام صحابہ فہم قرآن میں یکساں نہیں تھے۔ بلکہ اُن میں بعض خاص خاص صحابہ ہی ایسے تھے جو درحقیقت ذمہ دارانہ طور پر تفسیر قرآن کی خدمت انجام دے سکتے تھے۔ اور اُن کی اس خصوصیت کو اجلۂ صحابہ بھی تسلیم کرتے تھے۔ ان کی اس برتری اور فضیلت کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ ذوقِ قرآنی جو محض ایک عطیۂ خداوندی ہے۔ اُن کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ افراط کے ساتھ مرحمت ہوا تھا۔ وذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

پھر یہ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ آج ایک مدعی علم جو گو اپنے "بغدادی بھرہ" کی طرح مروجہ عربی تو شستم پشتم بول سکتا ہے لیکن عربی صرف و نحو سے ناآشنائے محض ہے اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ آج ہر شخص قرن اول کے مفسرین کرام کی طرح قرآن مجید کو سمجھ سکتا ہے۔

وائے گر در پس امروز بود فردائے!

---

## دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند ہندوستان کے مسلمانوں کی ایک ایسی متاعِ عزیز و گرانمایہ ہے جس کی حفاظت و بقا کا سوال اختلاف افکار و خیالات کے باوجود ہر مسلمان کے پیش نظر رہنا چاہیے۔ غور کیجیے آج نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیائے اسلام میں مسلمانوں کی کوئی تعلیمی درسگاہ ہے جس کی بنیاد غزالی وقت حضرت مولانا محمد قاسمؒ، جنید زمانہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور قطب عالم حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب ایسے نفوس قدسیہ نے رکھی ہو۔ اور پھر شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اور اُن کے بعد حضرت العلامہ مولانا سید محمد انور شاہ ایسے جامع علوم و فنون بزرگوں نے اُس کو پروان چڑھایا ہو۔ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ملک کے جس عہد پر آشوب میں رکھی گئی۔ اُس پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ کہنا قطعاً بے مبالغہ ہے کہ آج ہندوستان میں مسلمانوں کے اندر جو کچھ مذہبیت پائی جاتی ہے، اور اسلامی قومیت کا جو تصور اُن کے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



دل و دماغ میں موجود ہے، وہ ایک بڑی حد تک دار العلوم دیوبند کی ہی علمی جد و جہد اور اس کی ہی پرخلوص جانفشانیوں کا نتیجہ ہے، ورنہ مغربی الحاد و زندقہ کے سیلابِ عظیم نے جس طرح ترکی و مصر کو اس کی روایتی مذہبیت سے کوسوں دور پھینک دیا ہے، اگر بانیان و خدمت گذاران دار العلوم اپنے مجاہدانہ عزائم کے ہاتھوں سے مذہب کی حفاظت و بقا کا یہ بند نہ باندھتے تو خدا معلوم اس صنمکدۂ ہند میں ناموس ابراہیمی کے پاسبانوں کا حشر اب تک کیا سے کیا ہوگیا ہوتا! دنیائے اسلام کا وہ کونسا گوشہ ہے جہاں ہندوستان کے اس کوثر علم و فضل کی لہریں نہیں پہنچ رہی ہیں۔ اور وہ کونسا خطہ ہے جہاں دار العلوم دیوبند کے فارغ التحصیل علم و مذہب کی خدمات میں مشغول نہیں ہیں؟

ایک زمانہ تھا جبکہ ہندوستان میں مشارق الانوار اور مشکوٰۃ المصابیح کے ماسوا کوئی حدیث کی کسی کتاب کا نام تک نہیں جانتا تھا۔ الا قلیلاً منہم۔ مگر آج مسلمانوں کا بچہ بچہ بخاری و مسلم اور ابوداؤد و ترمذی کے ناموں سے ناآشنا نہیں ہے۔ ہندوانہ رسم و رواج جو یہاں کے مسلمانوں میں باہمی اختلاط و ارتباط کے باعث جڑ پکڑ چکے تھے آج چند دور افتادہ دیہات کے سوا بہت کم نظر آتے ہیں۔ جہاں فتویٰ دریافت کرنے کے لیے کوسوں کا سفر طے کرنا پڑتا تھا۔ وہاں آج قریہ قریہ، شہر شہر میں مفتی دین و واعظ شرع موجود ہیں۔ یہ سب کس کی برکت ہے! دین و مذہب کا یہ عام چرچا، اسلام کی تعلیمات کا گھر گھر یہ ذکر کیا دار العلوم دیوبند کی مساعی جمیلہ کا صدقہ نہیں ہے؟ پھر ان تعلیمی و علمی کارناموں کے علاوہ دار العلوم دیوبند کی سب سے بڑی اور نمایاں خصوصیت جو اس کو تمام دنیائے اسلام کی قومی تعلیم گاہوں سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ یہاں ہر وقت پانسو سے زیادہ ایسے طلبہ موجود رہتے ہیں جن کے قیام و طعام اور دیگر ضروریات لباس و علاج کا تمام تر تکفل خود دار العلوم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ضخیم ضخیم درسی کتابیں ہر ایک کو دیجاتی ہیں، تعلیم کی فیس کسی سے نہیں لی جاتی۔ اس میں مستطیع و غیر مستطیع کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اساتذہ جن میں سے ہر ایک بجائے خود اپنے اپنے فن میں مہارت رکھتا ہے۔ نہایت قلیل تنخواہوں پر کام کرتے ہیں۔ اور کسی بدلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے ساتھ نہیں بلکہ پورے خلوص و یک جہتی کے ساتھ اوقات مدرسہ کے علاوہ خارج میں بھی تعلیم دینے سے ہی نہیں ہچکچاتے۔ اس کی قدر آپ کو اُس وقت معلوم ہوگی جبکہ آپ اس درسگاہ علم و دین کا مقابلہ اُن تعلیمی اداروں سے کریں جہاں کے اساتذہ بیش قرار تنخواہیں پاتے ہیں، اور جہاں کا ایک ایک طالب علم اپنی فیشن پرستی کے طفیل والدین کی زندگی اجیرن بنا دیتا ہے۔ جن کے پاس زرق برق ہال ہیں۔ کلاس روم ہیں۔ سرسبز و شاداب تفریح کے میدان ہیں۔ طویل و عریض صاف ستھرے کھیل کی گراؤنڈس ہیں اور جگمگاتی ہوئی لیبوریٹریاں ہیں۔ لیکن ان تمام فضول خرچیوں اور تکلفات آرائش کے باوجود جب ایک طالب علم ان درسگاہوں سے فارغ ہو کر نکلتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ اُس کا دماغ مذہبی مسائل کے علم سے خالی ہے اور اُس کی کشکولِ معلومات میں اُن چند ٹکڑوں کے سوا کچھ نہیں ہے جن کو فرنگی علما نے چبا کر اُگل دیا ہے۔

---

بہر حال اگر مذہب زندگی کی تشریح کا نام ہے۔ اور اس کے بغیر مسلمانوں کا جینا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دارالعلوم دیوبند جو مسلمانوں کی واحد مذہبی مرکزی درسگاہ ہے اُس کا بھی باقی رہنا ازبس ضروری ہے۔ افسوس ہے کہ آئے دن کی ملکی سیاسی و غیر سیاسی تحریکات کا اثر اب دارالعلوم پر بھی پڑ رہا ہے۔ سخت ضرورت ہے کہ مسلمان اپنے اولین فرض کا احساس کریں اور دارالعلوم دیوبند کی امداد و اعانت کر کے مذہب کے اس شجرۂ مبارکہ کو زیادہ سے زیادہ سرسبز و شاداب ہونے کا موقع دیں۔ مہتمم صاحب دارالعلوم رمضان کے اس ماہِ مقدس میں چندہ کی عام اپیل شائع کیا کرتے ہیں۔ ہم اس کی پُرزور تائید کرتے ہیں، اور اُمید قوی رکھتے ہیں کہ مسلمان اس پر لبیک کہینگے۔

---



© rasailojaraid.com